تیسواں سفر ۔ لاس انجلس

جرمنی جانے سے پہلے شمس ہمیں لے کر لاس انجلس گئے جہاں اعجاز ڈاکٹری کا امتحان ختم کر چکے تھے اور یونیورسٹی آف سدرن کیلیفورنیا کے ہسپتالوں میں ریزیڈنسی کر رہے تھے۔ ہم ۲۴ رفروری کو شمس کے ساتھ لاس انجلس کار کے ذریعہ انٹراسٹیٹ ۵ سے گئے۔ پورے راستے نہروں سے سیراب کھیت تھے۔ کچھ گائے کے باڑے تھے جن کی بدبو دور تک پھیلتی تھی۔ سڑک تیر کی طرح سیدھی گئی تھی۔ راستہ میں ایک جگہ کا نشان لگا تھا جس پر لکھا تھا لوس آلاموس نیشنل لیبارٹری۔ شمس نے بتایا کہ یہ ایک بہت بڑی لیبارٹری ہے اور یہاں امریکی دفاع کا کام ہوتا ہے۔ اس شہر کی تاریخ ڈیڑھ سو سال پرانی ہے۔ امریکی حساب سے یہ ایک تاریخ شہر ہے۔

تقریباً ۷ رگھنٹے کا راستہ ہے۔ تمام کاریں ۶۵ ریا ۷۰ میل کی رفتار سے جا رہی تھیں۔ اُس زمانے میں یہاں رفتار کی حد ۵۵ رمیل فی گھنٹہ تھی۔ ہم کو ابھی بھی میلوں کا حساب یاد تھا گرچہ پاکستان میں تو کلومیٹر چلے ہوئے ایک مدّت ہو چکی تھی۔ ہم نے سنا تھا کہ یہاں کی پولیس بہت سخت ہوتی ہے اور جہاں رفتار حد سے اوپر ہوئی، یہ پولیس والے آکر جرمانہ ادا کرنے کا پرچہ، یا ٹکٹ دے دیتے ہیں۔ ہم نے اس فری وے پر تو یہ دیکھا کہ جس کی جتنی ہمّت ہوئی اس نے اتنی ہی تیز گاڑی چلائی۔ دوسری طرف یہ کہ جہاں کوئی حادثہ ہوا یا کار بند ہوئی، یہ پولیس والے شکرے کی طرح نمودار ہو جاتے تھے۔ ویسے بھی زیادہ رفتار زیادہ خطرناک ہوتی ہے کہ بریک دیتے دیتے بھی چار چھ گاڑیاں پچک کے رہ جاتی ہیں۔

ریزیڈینسی میں ڈاکٹروں کو اکثر ۳۶ رگھنٹے تک ہسپتال میں رہنا پڑتا تھا۔ اعجاز ایک اپارٹمنٹ کامپلیکس میں رہتے تھے جہاں دوسرے ڈاکٹر بھی رہتے تھے۔ یہ سب کے سب ریزیڈنسی کررہے تھے۔ان میں سے کچھ شادی شدہ تھے، اور کچھ ہندوستانی ہندو اور سکھ، اور کچھ مسلمان تھے۔ان کی وجہ سے وقت آسانی سے کٹ جاتا تھا، ورنہ اعجاز سے ملاقات کم ہی ہوتی تھی۔اس کے علاوہ ہمارے کئی رشتہ دار لاس انجلس میں تھے اور کچھ ابھی بھی ہیں، جن سے ہمیشہ سے بہت اچھے تعلقات رہے تھے۔ہم اکثر ان کو فون کرتے اور وہ ہمیں آکر لے جاتے تھے۔ یہ بہت محبت والے لوگ تھے اور ہم ان ہی کے ساتھ بعد میں حج پر بھی گئے۔

انہی حالات میں اعجاز ہمیں گرفتھ پارک دکھانے لے گئے۔ یہاں کی خاص چیزیں دو ہیں۔ایک تو گرفتھ پارک کی خوبی یہ ہے کہ ایک پہاڑی پر ہونے کی وجہ سے یہاں سے پورا لاس انجلس شہر نظر آتا ہے، اور خاص طور پر رات کو شہر کی روشنیاں بہت اچھی لگتی ہیں۔ دن میں تو لاس انجلس کے اوپر اس قدر دھواں ہوتا تھا کہ شہر کی اکثر جگہیں نظر ہی نہیں آتی تھیں۔ اعزاز کے گھر کے پچھواڑے میں ایک پہاڑی تھی جو ہمیں بارشیں ہونے تک نظر ہی نہیں آئی اور جب بارش کے بعد نظر آئی تو ہم اس دھویں کی زیادتی کے قائل ہو گئے۔

لاس انجلس: گرفتھ پارک سے دھویں سے بھرا ہوا نظّارہ

اس کی دوسری خوبی تھی یہاں کی آبزرویٹری جہاں ستارہ شناسی کی ایک طاقتور دوربین لگی ہے۔ اس دوربین سے اس دن ہم نے مریخ، زہرہ، اور جوپیٹر سیارے بالکل صاف دیکھے۔ اس کے علاوہ کئی کہکشائیں اور دور کے ستاروں کے جھمگٹے دیکھے۔اڑن کھٹولا اور بُرج بھی صاف نظر آئے، گرچہ کہ لاس انجلس کی فضائی آلودگی نظر کی راہ میں حائل تھی۔اسی جگہ ایک زلزلہ پیما آلہ نصب ہے جس سے زلزلے کی طاقت ناپی جاتی ہے۔ یہ آلہ ایک پلیٹ فارم سے جڑا ہوا ہے۔اگر کوئی اس پلیٹ فارم پر جھٹکا لگائے تو یہ آلہ اس کی حرکت

کو ناپ سکتا ہے۔ ہم نے اس پر زور سے پیر مارا تو اس آلے نے اس جھٹکے کو محسوس کر کے اس کا گراف بنا دیا۔

لاس انجلس میں زلزلے بہت آتے ہیں۔ پوری گرمیوں دل دھڑکتا رہتا ہے کہ نہ معلوم کب زلزلہ آجائے۔اس کے بارے میں حفاظتی اقدامات ٹیلی ویژن پر بھی سکھائے جاتے ہیں۔ایک مرتبہ کراچی میں ۱۹۸۶ء میں بھی زلزلہ آیا تھا اور شدید تھا کراچی والوں کے تجربہ کے حساب سے۔اس وقت ہم گلشنِ اقبال کے معمار پلازہ میں زمینی (" گراؤنڈ") منزل کے فلیٹ میں رہتے تھے۔ دسمبر کا مہینہ تھا اور ہم باہر کیاریوں کے پودوں پر کام کر رہے تھے کہ ہمیں ایسا لگا جیسے کوئی ٹرک کھڑکھڑایا ہو۔شام کو بچّے دفتر سے گھر واپس آئے تو انہوں نے بتایا کہ زلزلے سے دفتروں میں میزیں اِدھر اُدھر ہو گئیں تھیں اور شیشے ٹوٹ گئے تھے۔ ہماری بہو مہر نے یہ بتایا کہ ایسا لگ رہا تھا جیسے دیواریں جھوم جھوم کر سیدھی ہو رہی ہوں۔غرض گرفتھ پارک میں اس زلزلہ پیما کو دیکھ کر ہمیں یہ باتیں یاد آگئیں۔

لاس انجلس: گرفتھ پارک آبزرویٹری

کچھ دنوں کے بعد حسن نیویارک سے آگئے تو ہم سب ساتھ ایک سمندری جہاز پر گئے جو اب سمندر میں نہیں جاتا بلکہ صرف گودی پر کھڑا رہتا ہے۔اس جہاز کا نام ہے''کوئین میری''۔ یہ جہاز ۷۰ سال قبل مسافروں کے لئے بنا تھا لیکن جنگ کے دوران اسے فوج کی منتقلی کے لئے استعمال کیا گیا تھا۔ یہ کئی منزلہ جہاز ہے اور ان میں سے تین منزلیں پانی کے نیچے ہیں۔ہم وہاں بھی گئے اور اس کا انجن روم بھی دیکھا۔اس کے چار انجنوں میں سے ہر انجن اتنا بڑا تھا کہ ہم اس کے سامنے نظر بھی نہ آسکیں۔ ہر جگہ ہر چیز دیکھنے کے لئے قطاریں لگتی تھیں، اور ہمارے بس میں یہ نہیں تھا کہ ہم وہ دیکھ سکیں جو یہ لوگ قطار میں کھڑے ہو کر بے باکی سے کر لیتے تھے۔ مرد عورت کے درمیان کسی حد تک بے باکی گوارہ، لیکن یہ لوگ بدتہذیبی پر اُتر آتے تھے۔ہمیں تو دُکھ یہ ہے کہ ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبروں کے کئے کرائے پر پانی پھر رہا ہے۔ بہرکیف ہم نے ان حرکتوں

کونظرانداز کرتے ہوئے اس جہاز کے اسٹیٹ روم دیکھے جہاں ابھی بھی اعلیٰ کارکردگی کی شان جھلکتی تھی۔

لانگ بیچ/لاس انجلس: کوئین میری سمندری جہاز

جہاز کے اندر کئی جگہوں پر کارٹون بنانے والے، تصویریں بنانے والے بیٹھے تھے جو ۳ر یا ۴ر ڈالر لے کر اسی وقت لوگوں کی تصویریں بنا کر دے رہے تھے۔ ہم ان فنکاروں کو دیکھتے ہوئے جہاز کی لائبریری گئے جہاں ۱۹۳۵ء سے لے کر اس وقت تک کے اخبار جمع تھے۔ یہ اخبار بوسیدہ حالت میں تھے لیکن قرینے سے رکھے ہوئے تھے۔ ان اخباروں میں ہم نے جنگِ عظیم کی خبریں دیکھیں تو ہمیں اپنا جنگ کا زمانہ یاد آ گیا۔ اتنا وقت نہیں تھا کہ ہم ان میں دیکھیں کہ یہ اخبار ۱۹۴۴ء کے بارے میں کیا کہتے ہیں جب ہمارے مرحوم شوہر جنگ پر گئے تھے۔

لانگ بیچ: کوئنز میری جہاز کی گودی (برتھ)، اور اُس کے اوپری ڈیک پر

لاس انجلس آ کر کچھ نئے لوگوں سے ملاقات ہوئی اور کچھ ایسے تھے جنہیں ہم کراچی اور ہندوستان سے جانتے تھے۔ ہمارے عزیز جو تیس، پینتیس سال پہلے امریکہ آ گئے تھے اب یہاں ملے تو دیکھا کہ ان کے

بچے بھی شادی کے قابل ہو گئے تھے۔ ہر شخص اپنے حالات میں گرفتار تھا، اور اپنوں سے بچھڑا ہوا لگتا تھا۔ یہ کیفیت تو ہمیں نیو یارک ایئرپورٹ سے لے کر یہاں تک نظر آئی تھی۔لیکن یہاں پر ہر تہوار پُر رونق ہوتا تھا۔ ہمارے چچا زاد بھائی، بہنیں، اور ان کے خاندان اِدھر تھے۔ہم جب یہاں پہنچے تو ۲۲ / رجب کا دن تھا اور کونڈوں کی نذریں ہو رہی تھیں۔ہم ان رشتہ داروں کے ہاں کونڈوں پر گئے اور امریکہ میں پاکستان اور ہندوستان کی محفلوں کا لطف اٹھایا۔اسی طرح ۲۲ / مارچ کو شبِ برأت پر سمّی و یلی میں ایک اور عزیز کے گھر جمع ہوئے۔ یہاں شمعوں سے زبردست چراغاں ہوا۔ باجماعت نمازیں ہوئیں۔ان کے بچّوں نے بھی پہلی مرتبہ ایسی بارونق شبِ برأت منائی تھی۔

یہاں دیکھا کہ تمام لوگ گھر کے اکثر کام خود کرتے ہیں۔گھر کی صفائی، کھانا پکانا اور کپڑے دھونا لیکن واشنگ مشین پر، کہ لان کاٹنے سے لے کر برتن دھونے تک، ہر کام کے لئے مشینیں ہیں۔ بڑی محفل ہو تو کمیونیٹی سینٹر کرایہ پر لے لیا اور کھانا پکا کر وہیں لے گئے۔اسی طرح ہمارا کوئی ایک ماہ گزر گیا۔ ۲۶ / مارچ کو شمس جرمنی سے واپس آئے اور ہمیں لینے لاس انجلس آ گئے۔اس مرتبہ ہم نے ہائیوے ۱۰۱ لی۔ یہ سڑک فری وے ۵ جیسی نہ تھی۔ ۱۰۱ ہر شہر میں ایک عام شاہراہ بن جاتی ہے اور کہیں کہیں اس پر ٹریفک سگنل بھی آجاتے ہیں۔ سانتا باربرا سے گزرے تو دور سے ہی صدر ریگن کا رینچ دیکھا جو دو ماہ پہلے ہی ریٹائر ہوئے تھے۔راستے میں ایک جگہ تھی لومپوک۔ یہاں ڈنمارک کے جیسے گھر اور وہاں کی ثقافت کے نمائندہ بازار تھے۔لیکن اس کے خاص سیاحی مقام سے ذرا ہٹیں تو ایک میکسیکن اسپینی کلیسا ''لا پوریسیما مشن'' اور دوسرے اسپینی میکسیکی گھر اور عمارتیں نظر آتی ہیں، یعنی یہ شہر بھی درحقیقت ایک پرانا میکسیکی شہر تھا جس پر ڈنمارک کی چھاپ لگا کر اسے سیاحوں کے لئے دلچسپ بنا دیا گیا تھا۔سان ہوزے کے قریب مشن سان ہوزے بھی دیکھا۔ یہ ایک پرانا اسپینی چرچ ہے جہاں ایک سان ہوزے صاحب نے اپنا تبلیغی مرکز قائم کیا تھا۔امریکہ کے دوسرے علاقوں کی طرح یہاں بھی امریکہ کی اصیل قوم جنہیں اب ریڈ انڈین کہا جاتا ہے، اور یورپی حملہ آوروں کے درمیان بڑی جنگیں ہوئیں تھیں جس میں اکثر ''اصیل'' امریکی قبائل کا قتلِ عام کر کے یہ علاقہ ان سے خالی کروا لیا گیا تھا۔اب اس چرچ میں اُن واقعات کا نام و نشان نہیں ہے اور یہ صرف ایک چرچ ہے۔اسی چرچ کے نام پر شہر سان ہوزے کی بنیاد پڑی۔ یہ شہر اب ''بے ایریا'' کا آبادی کے لحاظ سے سب سے بڑا شہر ہے۔ یہاں سے نکلے تو پھر سیدھے السو برا نتے اترے۔